

طلاق سے متعلق معاصر مسائل: آئمہ اربعہ، اہل علم اور سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی رائے کا تجزیاتی مطالعہ
**Contemporary Divorce Issues: An Examination of the Views of
Imam Arbaa, Ahlul-i-Ilma, and Sayyedab-ul-Ala Maududi.**

Sadeeq Ahmad

Ph.D Scholar Department of Islamic Studies Qurtuba University of
Science and Information Technology Peshawar
sadeeqji@gmail.com

Dr.Abdul Basit

Assistant Professor of Islamiyat.
Govt. Degree College Toru, Mardan.
abqazi79@gmail.com

Haq nawaz

Visiting Lecturer in Islamiyat at Government degree college Darora Dir
upper

huqnawaz3344@gmail.com

Abstract

Divorce is a sad and terrible occurrence in family life, and it is regarded as one of the worst acceptable actions in Islamic jurisprudence. Divorce is one of the most often asked questions in today's world, among many others. These questions may occasionally go unasked, resulting in familial and social issues. The complexity of these concerns is growing as a result of problems including ignorance, hasty decisions, family conflicts, and rights violations.

Islamic law offers thorough instruction on a variety of topics, including divorce. Fiqh literature include comprehensive debates on this subject. The four Imams, scholars, and particularly Syed Abul Ala Maududi, have publicly discussed this issue. Divorce has become a normal and everyday concern in today's society.

Syed Abul Ala Maududi has made a significant contribution to tackling social concerns because of his importance as a leading scholar of the modern age. He had a comprehensive approach to societal issues in general. His style was to express his ideas after weighing numerous viewpoints, and he frequently let the readers make the ultimate decision. As a result, his views were widely known and accepted.

He even balanced society issues with religious practises from other religions at times, offering insight on comparative social viewpoints. This opens the door to discussion on a variety of topics, including divorce in rage, delegated divorce, simultaneous triple divorce, and financial support for divorced women.

Key Words: Domestic Life, Divorce, Contemporary Issues, Lack of Knowledge, Scholars, Evidences.

خانگی زندگی میں طلاق کا مرحلہ اور طلاق کا واقع ہونا، جائز کاموں میں سے بدترین کام ہے۔ معاصر مسائل میں سب سے زیادہ جو سوالات پوچھے جاتے ہیں، ان میں سے طلاق بھی ایک ہے۔ یہ سوالات بعض اوقات پوچھے بھی نہیں جاتے اور دو گھرانوں، خاندان اور معاشرے میں بگاڑ کے مسائل پیدا ہو جاتے ہیں۔ کم علمی، جلد بازی، خاندانی چپقلش، بے جا غیرت کا مظاہرہ اور حقوق کی عدم ادائیگی کی وجہ سے ان مسائل میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔

شریعت میں جن امور پر زیادہ وضاحت کی گئی ہے، ان میں سے ایک طلاق کا باب بھی شامل ہے۔ فقہی کتابوں کے اندر اس پر تفصیل کے ساتھ بحث موجود ہے۔ آئمہ اربعہ، اہل علم اور عصر حاضر کے علمائے کرام خاص کر سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے اس پر کھل کر بحث کی ہے۔ معاصر مسائل میں طلاق عام اور معمول کا مسئلہ بن چکا ہے۔ ذیل کے سطور میں غصے میں طلاق دینا، تفویض طلاق، بیک وقت تین طلاق اور مطلقہ عورت کا نفقہ جیسے اہم مسائل پر بحث کی ہے۔

1. غصے میں طلاق دینا

جب آدمی اپنی بیوی کو غصے میں طلاق دے تو اس کی مختلف صورتیں ہیں، کبھی غصہ ایسی کیفیت میں ہو کہ بندہ ہوش میں نہ رہے، یا عام حالت میں ہو تو ہر ایک کے اپنے احکام ہیں۔ مختلف اہل علم اس میں مختلف آراء رکھتے ہیں۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی رائے

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ سے کسی نے پوچھا کہ جب زیادہ غصے میں طلاق دی جائے تو کیا یہ واقع ہو جاتی

ہے؟ مولانا نے جواب دیا:

"تو کیا کوئی زیادہ خوشی سے بھی طلاق دیتا ہے؟ کل اگر وہی آدمی کسی کو قتل کر بیٹھے اور کہے کہ قتل نہیں ہوا کیونکہ میں غصے میں تھا تو کیا آپ اس کی بات مان لیں گے۔ اس لیے طلاق چاہے غصے میں ہو پھر بھی واقع ہو جاتی ہے" (1) یعنی مولانا کے نزدیک غصے میں طلاق دی جائے واقع ہو جاتی ہے۔

وصية الزهيليؒ

امام وصية الزهيليؒ فرماتے ہیں "مجنون کی طلاق صحیح نہیں ہے، اور اسی طرح بے ہوش اور مدہوش کی بھی صحیح نہیں ہے، آگے مدہوش کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وهو الذي اعترته حال انفعال لا يدري فيها ما يقول أو يفعل، أو يصل به الانفعال إلى درجة يغلب معها الخلل في أقواله وأفعاله، بسبب فرط الخوف أو الحزن أو الغضب"⁽²⁾
مدہوش وہ ہے جس پر ایسی کیفیت طاری ہو چکی ہو کہ جو کہتا ہے یا کرتا ہے اس کا ادراک نہیں رکھتا، یا جو بندہ خوف، غم یا غصے کی وجہ سے ایسی کیفیت تک پہنچ چکا ہو کہ جس کی وجہ سے اس کی باتوں میں خلل واقع ہو۔
اور اس کی دلیل میں رسول اللہ ﷺ کی حدیث پیش کی ہے "لا طلاق في إغلاق" اغلاق میں طلاق نہیں ہوتی۔⁽³⁾

اغلاق کا معنی کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"والإغلاق: كل ما يسد باب الإدراك والقصد والوعي، لجنون أو شدة غضب أو شدة حزن ونحوها"
اغلاق ہر وہ کیفیت ہے جو ادراک، قصد اور ارادے کا دروازہ بند کر دیتی ہے، جنون کی وجہ سے، شدت غضب سے یا غم وغیرہ کی وجہ سے۔
امام وصية الزهيليؒ دوسری جگہ فرماتے ہیں:

" لا يقع طلاق السكران ولا المدهوش ولا المكره. المدهوش: هو الذي فقد تمييزه من غضب أو غيره، فلا يدري ما يقول"⁽⁴⁾
نشہ والے، مدہوش اور مکرہ کی طلاق واقع نہیں ہوتی، مدہوش وہ ہے جس سے غصہ غضب کی وجہ سے تمیز کرنے کی صلاحیت ختم ہو گئی ہو، اور نہیں سمجھتا کہ کیا کہتا ہے۔ یعنی ان ساری صورتوں میں طلاق معتبر نہیں، جن میں ایک صورت غصے کی بھی بیان کی ہے، تو امام وصية الزهيليؒ کی رائے یہ ہے کہ زیادہ غصے میں طلاق واقع نہیں ہوتی۔

عبدالرحمن الجزيريؒ

عبدالرحمن الجزيريؒ نے غصہ کی صورت میں طلاق کی تین قسمیں بیان کی ہیں، کہتے ہیں:

طلاق غضبان (یعنی غصے میں طلاق دینا) بعض علماء نے تین قسموں میں تقسیم کی ہیں۔

پہلی قسم:- وہ غصہ اور غضب جو بالکل اول مراحل میں ہو، جو غصہ کرنے والے کی عقل پہ کوئی اثر نہیں

کیا ہو، اور بالکل سمجھتے ہوئے بات کرتا ہو، تو بیشک ایسے غضب کی صورت میں اس کی طلاق بھی واقع ہو جاتی ہے اور

اس کی عبارات باتفاق علماء نافذ ہو جاتی ہیں۔

دوسری قسم:- غصہ بالکل انتہا تک پہنچ چکا ہو اور عقل کو متغیر کر رکھا ہو، اور اس مجنون کی طرح کر دیا ہو کہ جو کچھ کہتا ہو وہ اس کی سمجھ اور ارادے سے بالاتر ہو، ایسی صورت میں بیشک اس کی کیفیت مجنون کی طرح ہے اس کی طلاق معتبر نہیں ہے۔

تیسری قسم:- غصہ ان دونوں حالتوں کے درمیان ہو، کہ بندے کو اپنی طبعی حالت سے تو نکالا ہو لیکن بالکل اس مجنون کی طرح نہ ہو، کہ جو بغیر قصد اور ارادے سے بولتا رہتا ہے، اور سمجھتا نہیں۔ جمہور علما کے نزدیک تیسری قسم کی صورت والے کی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔⁽⁵⁾

عبدالرحمن الجزیریؒ نے جب یہی تین صورتیں بیان کی ہیں۔ آخری اور تیسری صورت میں فرمایا کہ جمہور کے نزدیک اس کی طلاق واقع ہو جاتی ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک بھی ایسے غصے میں، جس میں بندہ بالکل پاگل نہیں بنا ہو، کی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

علامہ ابن تیمیہؒ

ابن تیمیہؒ نے بھی یہی تین اقسام ذکر کر کے آخری قسم کے بارے میں فرمایا:

یہ محل نظر ہے، یعنی بعض علما کہتے ہیں کہ واقع ہو جاتی ہے اور بعض کے نزدیک نہیں، کیونکہ بعض اس کو طلاق مکروہ پر قیاس کرتے ہیں کہ ایسی حالت میں اس نے اپنی طبیعت اور کیفیت سے مجبور ہو کر طلاق دی، لیکن بعد میں اس پر سخت ناراض ہو، تو حییسا کہ مکروہ کی طلاق نہیں واقع ہو جاتی ایسا ہی اس کی بھی نہیں۔⁽⁶⁾

خلاصہ بحث

اس مسئلہ میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے بالکل مختصر جواب دیا ہے، پوری وضاحت نہیں کی۔ اوپر جتنے علمائے امت کی آراء سامنے آئیں، معلوم ہوا کہ مسئلہ وضاحت طلب ہے، اور یہی معلوم ہوا کہ غصے میں ایسی کیفیت تک پہنچ کر بندہ جو کچھ کہتا ہے سمجھ نہیں آتی تو طلاق واقع نہیں ہو جاتی۔ اور یہ بات فطرت کے بھی مطابق لگتی ہے، کیونکہ جب دو بندے ایک ہی جگہ رہتے ہیں تو ظاہری بات ہے کہ کبھی کبھی ایسے اختلافات ہو سکتے ہیں کہ غصے میں آکر بہت ناقابل تصور افعال صادر ہو جاتے ہیں کہ عقل نہیں مانتی، حتیٰ کہ اپنے والدین کے ساتھ بد اخلاقی، بد زبانی اور کبھی جھگڑے تک نوبت پہنچ جاتی ہے، لیکن وہ دل سے نہیں بلکہ بعد میں اس پر پشیمان ہوتا ہے۔ لہذا اگر ایسا غصہ اچانک آجائے پہلے سے ایسے کوئی طویل اختلافات نہیں چلے آ رہے ہوں، تو ایسی صورت میں طلاق واقع نہیں ہو جاتی۔ کیونکہ رشتہ ازدواج تو یقیناً ایک ایسا رشتہ ہے کہ حساس بھی ہے اور ضروری بھی ہے۔ میرے خیال میں ایسی کیفیت میں طلاق کا فتویٰ نہیں دینا چاہیے۔

البتہ عام غصہ جس کی تفصیل گزر چکی ہے، میں طلاق دی جائے تو پھر واقع ہو جاتی ہے، اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے بھی اسی کے تناظر میں کہا ہے، کہ اس صورت میں طلاق بالکل واقع ہو جاتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ طلاق اکثر خوشی کی صورت میں نہیں دی جاتی بلکہ غصے ہی کی وجہ سے دی جاتی ہے۔

2. تفویض طلاق

تفویض طلاق اس کو کہتے ہیں کہ خاوند بیوی کو اختیار دے کہ جب چاہے اپنے آپ کو طلاق دے سکتی ہے، تو آیا یہ طلاق معتبر ہے کہ نہیں؟ اس کے بارے میں سید مودودیؒ سے پوچھا گیا ہے، تو مولانا نے جواب دیا:

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی رائے

تفویض طلاق کے بارے میں فرمایا ہے کہ اگر ایجاب و قبول کے وقت عورت یہ کہے کہ میں اپنے آپ کو تیرے نکاح میں اس شرط کے ساتھ دیتی ہوں کہ میں جب چاہوں اپنے آپ پر طلاق وارد کرنے کی مختار ہوں گی، اور مرد اسے قبول کر لے تو قانوناً اس شرط کو قبول کیا جاسکتا ہے۔ یہ صورت تفویض طلاق کی ہے اور فقہانے اسے جائز رکھا ہے۔ البتہ اس کو رواج نہیں دینا چاہیے⁽⁷⁾ اس مسئلے میں فقہا کا اتفاق ہے کہ شوہر کو جیسا کہ طلاق کا حق حاصل ہے اس طرح وہ اپنا یہ اختیار کسی اور کو دینے کا بھی مجاز ہے، لہذا اگر یہ اختیار اپنی بیوی کو دے اور وہ استعمال کرے تو بالکل واقع ہو جاتی ہے۔ ذیل میں فقہا کی آرا نقل کی جاتی ہیں۔

احناف

اس مسئلہ میں فقہائے احناف کی رائے یہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو طلاق تفویض (حوالہ کرنا) کر سکتا ہے اور اگر وہ اپنے آپ پر وارد کرنا چاہے تو وارد بھی ہو سکتی ہے، البتہ شرط یہ ہے کہ جس مجلس میں یہ اختیار دیا ہے اسی ہی میں وارد کر سکتی ہے اس سے اٹھ کر نہیں کر سکتی۔ احناف کی مشہور کتاب متن بدایۃ المبتدی میں امام برہان الدین باب قائم کیا ہے "باب تفویض الطلاق" یعنی باب ہے تفویض طلاق کے بارے میں اور پھر اس کی ذیل میں فصل رکھی ہے "فصل فی الاختیار" یعنی فصل ہے اختیار دینے کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"وإذا قال لامرأتها اختاري ينوي بذلك الطلاق أو قال لها طلقي نفسك فلها أن تطلق نفسها ما دامت في مجلسها ذلك فإن قامت منه أو أخذت في عمل آخر خرج الأمر من يدها ويبطل خيارها بمجرد القيام"⁽⁸⁾

جب شوہر اپنی بیوی کو کہے کہ "اختاری" یعنی تیرا اختیار تیرے پاس ہے، اور اس پر طلاق کی نیت کرتا ہے، یا یہ کہے "طقتي نفسك" یعنی اپنے آپ کو طلاق دو، تو اسے اس وقت تک طلاق کا حق حاصل ہے جب تک اس مجلس میں موجود ہو، کہ اپنے آپ کو طلاق دے دے۔ البتہ اگر اس مجلس سے اٹھی یا کسی دوسرے کام میں مشغول ہو گئی تو اس کے ہاتھوں سے اختیار کا حکم نکل گیا اور مجلس سے اٹھتے ہی اختیار ختم ہو جاتا ہے۔

یعنی فقہائے احناف کی رائے یہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو طلاق کا اختیار دے سکتا ہے اور اگر وہ اپنے آپ کو طلاق دے تو واقع بھی ہو جاتی ہے، البتہ اختیار صرف مجلس تک محدود ہے، اگر مجلس ختم ہو گئی اور اس نے یہ اختیار استعمال نہیں کیا تب اس کا اختیار ختم ہو جاتا ہے۔

مالکیہ

فقہاء مالکیہ کی تفویض طلاق کے حوالے سے یہی رائے ہے، کہ شوہر طلاق تفویض کر سکتا ہے البتہ مجلس تک محدود کرنے کی بات ان سے منقول نہیں ہے، ابن نجم ابن شاش عقد الجواہر الشمدیہ میں لکھتے ہیں:

"وللرجل أن يجعل إلى المرأة طلاقها، وذلك على وجهين: توکیل، وتملیک. ففي التوکیل، له أن يرجع ما لم تطلق نفسها. وفي التملیک لیس له ذلك، إلا (أن تبطل) تملیکها." (9)

اور آدمی کے لیے جائز ہے کہ طلاق کا اختیار بیوی کو دے دے، یہ دو قسم کی ہے، توکیل اور تملیک، توکیل کی صورت میں جب تک عورت نے طلاق نہ دی ہو، اس وقت تک شوہر کو رجوع کا حق حاصل ہے، اور تملیک میں یہ اختیار نہیں ہے، ہاں اس صورت میں رجوع کر سکتا ہے کہ جب عورت اپنے اختیار کو خود باطل کر دے۔

یعنی امام مالکؒ کے نزدیک تفویض طلاق دو قسم ہے، ایک تملیک یعنی کہ بیوی کو بالکل طلاق کی باگیں ہاتھ میں دے دے، کہ بس اس کی مالکہ تم ہو، جو چاہے کر لو، تو ایسی صورت میں جب تک عورت نے اپنی تملیک کو باطل نہ کیا ہو تب تک یہ شوہر رجوع نہیں کر سکتا، اور جب اس نے اپنی تملیک باطل کر دی تو پھر شوہر اپنی تفویض سے رجوع کر سکتا ہے۔

اور دوسری قسم توکیل ہے یعنی کلی اختیارات تو نہ دیے ہوں، البتہ اپنی وکیل بنائی کہ بس طلاق کے حوالے سے تو میری وکیل ہو گئی، اگر چاہے تو میرا یہ اختیار استعمال کرو۔ ایسی صورت میں شوہر بالکل رجوع کر سکتا ہے جب تک عورت نے اپنے اختیار کو استعمال نہ کیا ہو۔

شوافع

شوافع حضرات تفویض طلاق کچھ شرائط سے مشروط جائز قرار دیتے ہیں جو کہ درج ذیل ہیں:

دکتور مصطفیٰ نے الفقہ المہجی میں باب قائم کیا ہے "تفویض الطلاق إلى الزوجة" بیوی کو طلاق کا اختیار

دینا۔

اس کے ذیل میں لکھتے ہیں:

"يصح للزوج أن يفوض إيقاع الطلاق إلى زوجته، وهذا التفويض إنما هو بمثابة تملیک الطلاق لها"

شوہر کے لیے جائز ہے کہ وہ طلاق کا اختیار اپنی بیوی کو دے، اور یہ تفویض عورت کے لیے تملیک طلاق کی طرح ہوگی۔

شرائط

پہلی شرط: طلاق منجز یعنی مکمل طلاق ہو، معلق نہ ہو، جیسا کہ کہا جائے کہ جب صبح ہو جائے تو اپنے آپ کو طلاق دو۔

دوسری شرط: طلاق کا اختیار دینے والا شوہر مکلف ہو، صغیر اور مجنون کی تفویض صحیح نہیں ہے۔ تیسری شرط: بیوی بھی مکلف ہو، صغیرہ یا مجنونہ بیوی کو تفویض طلاق صحیح نہیں ہے۔ چوتھی شرط: بیوی تفویض طلاق کے بعد اپنے آپ کو فی الفور طلاق دے، اگر اتنی تاخیر کر دی جتنے میں ایجاب کے بعد قبول منقطع ہو جاتا ہے تو پھر طلاق صحیح نہیں ہے۔⁽¹⁰⁾

یعنی کہ شوافع کے نزدیک تفویض طلاق ہو سکتی ہے، اور بیوی کا اپنے آپ پر طلاق کچھ شرائط کے ساتھ وارد کرنا بھی صحیح ہے، جب شوہر مکلف ہو، بیوی بھی مکلف ہو، اور یہ طلاق فی الفور دے دی تو واقع ہو جاتی ہے، یعنی ان کے نزدیک بھی احناف کی طرح خیار مجلس کی شرط موجود ہے۔

حنابلہ

فقہاء حنابلہ کے نزدیک بھی تفویض طلاق جائز ہے۔ شوہر اگر چاہے تو اپنی بیوی کو طلاق کا اختیار دے سکتا ہے اور وہ استعمال بھی کر سکتی ہے۔ ابن قدامہ المقدسیؒ کہتے ہیں کہ "ويجوز للرجل تفويض الطلاق إلى زوجته"۔ شوہر کے لیے جائز ہے کہ طلاق کا اختیار بیوی کو دے۔ استدلال میں عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث نقل کی ہے:

"إني لمخبرك خبرا فلا عليك ألا تعجلي حتى تستأمرى أبويك [ثم قال : إن الله تعالى قال : { يا أيها النبي قل لأزواجك إن كنتن تردن الحياة الدنيا وزينتها } حتى بلغ : { فإن الله أعد للمحسنات منكن أجرا عظيما } فقلت : في أي هذا أستأمر أبوي ؟ فإني أريد الله ورسوله والدار الآخرة ثم فعل أزواج النبي صلى الله عليه وسلم مثل ما فعلت " (11)

جب رسول اللہ ﷺ اپنی بیویوں کو اختیار دینے لگے، تو ابتدا مجھ سے کی، فرمایا "کہ میں ایک خبر دینے والا ہوں، لیکن خبردار فیصلے میں جلدی نہ کریں جب تک والدین کے ساتھ مشورہ نہ کر لیں، اور پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (یا أيها النبي قل لأزواجك إن كنتن تردن الحياة الدنيا وزينتها) حتی کہ یہاں تک { فإن الله أعد للمحسنات منكن أجرا عظيما }⁽¹²⁾

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے کہا کہ اس میں میں والدین سے کیا مشورہ لوں؟ میں تو اللہ اور اس کے رسول اور آخرت کو چاہتی ہوں، اور پھر ساری ازواج مطہرات نے ایسا ہی کیا جیسا میں نے کیا۔

یعنی فقہائے حنابلہ کی رائے یہی ہے کہ تفویض طلاق بالکل جائز ہے، اور استدلال جس حدیث سے کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیویوں کو طلاق تفویض کی تھی۔

خلاصہ بحث

اس مسئلہ میں توفیقہا کی آراء سامنے آئیں، معمولی رد و بدل کے ساتھ سب اس پہ متفق ہیں کہ تفویض طلاق جائز ہے اور اگر عورت اپنے آپ پر طلاق وارد کرنا چاہے تو واقع ہو جاتی ہے، اور یہ عقل بھی مانتی ہے کہ جو بندہ خود اپنے اختیار دوسرے کو حوالے کرنا چاہے تو کون منع کر سکتا ہے۔ البتہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے آخر میں جو بات کہی ہے کہ اس کو رواج نہیں دینا چاہیے، یعنی کہ قانون کے دائرے میں تو بالکل صحیح ہے لیکن ایک خوشحال معاشرے کے لیے ضروری ہے کہ اس کو رواج نہ دیا جائے، کیونکہ اگر اس کو رواج ملے تو خواتین چونکہ اکثر جذبات میں فیصلے کر جاتی ہیں تو اس سے بہت سارے گھراڑے رہیں گے۔

3. بیک وقت تین طلاق

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ سے بیک وقت تین طلاق کے بارے پوچھا گیا ہے، تو مولانا نے جواب میں لکھا کہ "فقہاء جمہور اور آئمہ اربعہ کے نزدیک بیک وقت تین طلاق دینا تین طلاق ہی شمار ہوں گی، اور میرے نزدیک یہی صحیح تر بات ہے، لیکن یہ بات مسلم ہے کہ ایسا کرنا گناہ ہے" (13)۔

احناف

احناف علماء کے نزدیک ایک ہی وقت میں تین طلاق دینا اگرچہ گناہ ہے مگر واقع ہو جاتی ہیں، جیسا کہ ابن مودود حنفی الاختیار للتعلیل المختار میں لکھتے ہیں:

"والبدعة أن يطلقها ثلاثاً أو ثنتين بكلمة واحدة، أو في طهر لارجعة فيه، أو يطلقها وهي حائض فيقع ويكون عاصياً" (14)

تین یا دو طلاق ایک ہی کلمے سے دینا بدعت ہے، یا ایسی طہر میں جس میں رجوع نہیں ہو سکتا، یا حیض کی حالت میں طلاق دینا، یہ سب واقع ہو جاتی ہیں لیکن دینے والا گناہ گار ہے۔

وقوع کے بارے میں استدلال کیا ہے ابن عمر کی حدیث سے، کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ "آرأیت لو طلقھا ثلاثا آکانت تحل لی؟ قال لا ویکون معصية" (15)

اگر تین طلاق دی ہو تو کیا میرے لیے حلال ہوگی؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں، اور یہ گناہ ہے۔ یعنی واقع تو ہو جاتی ہے مگر ہے گناہ۔

مالکیہ

امام مالکؒ بھی بیک وقت تین طلاق دینا بہت زیادہ برامانتے تھے، امام مالکؒ کی مشہور کتاب المدونۃ الکبریٰ میں ہے، سخونؒ فرماتے ہیں کہ میں نے عبدالرحمن بن قاسم سے پوچھا:

"هل كان مالك يكره أن يطلق الرجل امرأته ثلاث تطليقات في مجلس واحد؟ قال: نعم، كان يكرهه أشد الكراهية" (16)

آیا مالکؒ یہ برامانتے کہ آدمی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاق دے؟ تو اس نے فرمایا کہ ہاں، امام مالکؒ بہت سخت برامانتے تھے۔ اور فرماتے کہ سنت طلاق یہ ہے کہ آدمی بیوی کو ایک طہر میں جس میں جماع نہیں کیا گیا ہو، ایک طلاق دے، اور پھر اس کو تین حیض ختم ہو جانے تک چھوڑی رکھے، اور اس میں کوئی طلاق نہ دے، جب تیسرا حیض شروع ہو جائے تو دوسرے شوہر کے لیے حلال ہوگئی اور طلاق دینے والے شوہر سے مباح نہ ہوگئی۔

یعنی امام مالکؒ براضرورامانتے تھے مگر واقع ان کے نزدیک بھی ہوتی تھی۔

شوافع

شوافع کے نزدیک بھی یہی سنت طلاق ہے کہ ایک طلاق دی جائے، تاکہ اگر کہے نہ امت ہو جائے تو رجوع کر سکے، ہاں اگر کوئی تین طلاق دینا چاہے تو اس میں پھر سنت یہ ہے کہ تینوں ایک ہی دفعہ نہ ہوں، بلکہ ہر طہر میں ایک طلاق ہو۔ البتہ شوافع میں بعض لوگ کہتے ہیں کہ طلاق کے عدد میں کوئی سنت یا بدعت نہیں، جیسا کہ ابو علی السجیؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے بعض اصحاب کہتے ہیں کہ "لا سنة في عدد الطلاق ولا بدعة، وإنما السنة والبدعة في الوقت".

طلاق کی تعداد میں کوئی سنت یا بدعت نہیں بلکہ سنت اور بدعت کا تعلق وقت سے ہے۔

آگے کہتے ہیں کہ شوافع کے نزدیک منصوص رائے اول والی ہے، کیونکہ کئی دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک چیز سنت ہوا کرتی ہے اور ترک اس کا بدعت نہیں ہوتا، جیسا کہ تحیۃ المسجد، وضیہ کرنا، وغیرہ (17)

بیک وقت تین طلاق شوافع کے نزدیک بالکل مباح ہیں، اس میں کوئی حرمت نہیں، المذہب فی

امام الشافعی میں ہے:

"فإن خالف وطلقها ثلاثاً في طهر واحد، أو في كلمة واحدة.. وقع عليها الثلاث وكان مباحاً، ولم يكن محرماً. وبه قال عبد الرحمن بن عوف، والحسن بن علي بن أبي طالب. ومن التابعين: ابن سيرين. ومن الفقهاء: أحمد بن حنبل" (18)

اگر کسی نے سنت کے برخلاف بیوی کو تین طلاق ایک طہر میں دی، یا ایک ہی کلمے میں دی، تو تین ہی واقع ہو جاتی ہیں اور یہ حرام نہیں بلکہ مباح ہے۔
شوافع فقہاء کے نزدیک تین طلاق ایک ہی وقت میں ایک ہی کلمے سے دینا بالکل مباح ہے، حرام نہیں ہیں اور واقع ہو جاتی ہیں۔

حنبلیہ

تین طلاق کی حرمت اور اباحت کے حوالے سے امام احمدؒ سے روایات مختلف ہیں ابن قدامہؒ

فرماتے ہیں:

"اختلفت الرواية عن أحمد في جميع الثلاث فروي عنه انه غير محرم اختاره الخرقى وهو مذهب الشافعي وأبي ثور وداود وروي ذلك عن الحسن بن علي و عبد الرحمن بن عوف والشعبي، والرواية الثانية أن جمع الثلاث طلاق محرم اختارها أبو بكر وأبو حفص روي ذلك عن عمرو وعلي وابن مسعود وابن عمر"

بیک وقت تین طلاق کے بارے میں امام احمدؒ سے روایات مختلف منقول ہیں، ایک روایت یہ ہے کہ یہ حرام نہیں، اور یہی مذہب خرقیؒ نے اختیار کیا ہے، اور یہی مذہب شافعیؒ، ابو ثورؒ، اور داودؒ کا بھی ہے۔ اور یہی مذہب حسن بن علی اور عبد الرحمن بن عوف الشیبی سے بھی مروی ہے۔

دوسری روایت یہ ہے کہ تین طلاق بیک وقت جمع کرنا حرام ہے، یہی مذہب ابو بکر، ابو حفص نے

اختیار کیا ہے، اور یہی عمر، علی اور ابن مسعود اور ابن عمر رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔ (19)

خلاصہ بحث

ان ساری آراء سے معلوم ہوتا ہے کہ بیک وقت تین طلاق دینا البتہ سنت کے خلاف عمل ہے، اور آئمہ نے اس کو برامانا ہے، سوائے امام شافعیؒ اور ان کے اصحاب کے، کہ ان کے نزدیک یہ ایک مباح عمل ہے۔ لیکن وقوع کے حوالے سے کسی کا اختلاف نہیں ہے، اس پہ سب کا اتفاق ہے کہ تین طلاق تین ہی واقع ہو جاتی ہیں۔ اور یہی ٹھیک بھی ہے، اور یہ فیصلہ خلیفہ راشد عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں ہوا ہے اور ضرورت کے تحت طلاق کا ایک رواج بنا ہوا تھا۔ اب بھی شہری علاقوں میں لوگوں کا یہی حال ہے، لہذا تین طلاق کو تین ہی ماننا چاہیے۔

4. مطلقہ عورت کا نفقہ

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی رائے

مولانا سے پوچھا گیا ہے کہ "ازدواجی و عائلی عدالت" کو مطلقہ کے مطالبے پر اختیار ہونا چاہیے کہ وہ مطلقہ کو تاحین حیات یا تاعقد ثانی نفقہ دلوائے؟ مولانا نے جواب دیا ہے:

"یہ بات شریعت کے خلاف بھی ہوگی اور انصاف کے خلاف بھی، کیونکہ قرآن و حدیث میں وہ صورتیں اور مدت متعین کر دی گئی ہیں جن میں مطلقہ عورت شوہر سے نان نفقہ پانے کی حقدار ہوتی ہے"

مولانا نے کہا "تاحین حیات یا تاعقد ثانی نفقہ پانے کا استحقاق اس شرعی ضابطے کا خلاف ہوگا۔ اور عقل بھی یہ نہیں مانتی کہ جو شخص ایک عورت کو طلاق دے چکا ہے اور جو اس سے اب کسی قسم کا فائدہ اٹھانے کا حق دار نہیں ہے، مدت العمر یا تاعقد ثانی اس کے بار اٹھانے پر مجبور کیا جائے، یہ چیز خود عورتوں کی اخلاقی پوزیشن کو گرا دینے والی ہے (20)

آئمہ کرام کی آرا

احناف

احناف کے نزدیک مطلقہ کے لیے شوہر پر نفقہ صرف عدت کی مدت تک واجب ہے، اس کے علاوہ کسی صورت میں نہیں۔ علامہ برہان الدین بدایۃ المبتدی میں لکھتے ہیں:

"وإذا طلق الرجل امرأته فلها النفقة والسكنى في عدتها رجعيًا كان أو بائنًا" (21)

جب آدمی اپنی بیوی کو طلاق دے، تو عدت کے دنوں میں اس پر عورت کا نفقہ واجب ہے، خواہ طلاق رجعی ہو یا بائن ہو۔

ہدایہ میں اس کی تشریح کرتے ہوئے امام برہان الدین المرغینانی نے حدیث نقل کی ہے

، عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"للمطلقة الثلاث النفقة والسكنى ما دامت في العدة" (22)

وہ عورت جس کو تین طلاق دے دی گئی ہو، کے لیے شوہر پر عدت کی مدت میں نفقہ اور سکنی واجب ہے۔ مطلب یہ کہ مطلقہ عورت کے لیے شوہر پر عدت کی مدت میں نفقہ اور سکنی واجب ہے اور اس کے علاوہ یعنی دوسری شادی تک یا تاحیات نفقہ وغیرہ لازم نہیں ہے۔

مالکیہ

امام مالکؒ اور ان کے متبعین کی رائے یہ ہے کہ سکنی اور نفقہ اس طلاق کی صورت میں واجب ہے، جس میں شوہر رجوع کر سکتا ہو، بصورت دیگر نفقہ واجب نہیں، المدونۃ الکبریٰ میں ہے:

"السكنی تلزہ لهن کهن فاما النفقة فلا تلزم الزوج فی المبتوتة ثلاثا، کان طلاقه اياها أو صلحا إلا أن تكون حاملا فتلزمه النفقة، والنفقة لازمة للزوج فی کل طلاق یملک فیہ الزوج الرجعة حاملا کانت امرأته أو غیر حامل" (23)

امام مالکؒ کے نزدیک مطلقہ کے لیے سکنی تو ہر صورت میں واجب ہے، البتہ مطلقہ ثلاثہ (جس عورت کو تین طلاق دی گئی ہوں) کے لیے شوہر پر طلاق اور صلح دونوں کی صورت میں نفقہ واجب نہیں ہے، البتہ اگر عورت حاملہ ہے تو پھر نفقہ بھی واجب ہو جاتا ہے۔ شوہر پر ہر اس طلاق میں نفقہ واجب ہوتا ہے جس میں وہ رجوع کا حق رکھتا ہو، خواہ حاملہ ہو یا غیر حاملہ۔

علماء مالکیہ کے نزدیک تو معاملہ محدود ہے، صرف طلاق رجعی کی صورت میں نفقہ اور سکنی واجب اور طلاق ثلاثہ کی صورت میں واجب نہیں ہے۔

شوافع

امام شافعیؒ کی رائے بھی امام مالکؒ کی طرح ہے، کتاب الام میں امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

"فَكُلُّ مُطْلَقَةٍ كَانَ زَوْجُهَا يَمْلِكُ رَجْعَتَهَا فَلَهَا النَّفَقَةُ مَا كَانَتْ فِي عِدَّتِهَا مِنْهُ، وَكُلُّ مُطْلَقَةٍ كَانَ زَوْجُهَا لَا يَمْلِكُ رَجْعَتَهَا فَلَا نَفَقَةَ لَهَا فِي عِدَّتِهَا مِنْهُ إِلَّا أَنْ تَكُونَ حَامِلًا فَيَكُونُ عَلَيْهِ نَفَقَتُهَا مَا كَانَتْ حَامِلًا. وَسَوَاءٌ فِي ذَلِكَ كُلِّ زَوْجٍ حُرٍّ وَعَبْدٍ وَذِمِّيٍّ وَكُلِّ زَوْجَةٍ أَمَةٍ وَحُرَّةٍ وَذِمِّيَّةٍ." (24)

ایسی مطلقہ عورت جس کا شوہر رجوع کا حق رکھتا ہو، اس کے لیے عدت کی مدت تک شوہر پر نفقہ واجب ہے، اور ایسی مطلقہ جس کا شوہر رجوع کا حق نہیں رکھتا اس کا نفقہ شوہر پر عدت میں واجب نہیں ہے، البتہ جو حاملہ ہو، تو پھر حمل کی مدت تک اس کا نفقہ واجب ہے، اور اس میں آزاد، غلام اور ذمی شوہر سب شامل ہیں، اور اسی طرح ہر آزاد، باندی اور ذمی عورت۔

رجوع کا معنی یہ ہوا کہ شوہر جب عورت کو دو یا تین طلاق دے، تو اس صورت میں عدت سے پہلے وہ رجوع کا حق رکھتا ہے، اور ایسی صورت میں اس پر عورت کا نفقہ واجب ہے، البتہ جب تین طلاق دے، تو ایسی صورت میں اس کے رجوع کا حق ختم ہو گیا تو پھر اس پر نفقہ واجب نہیں ہے۔

حنابلہ

امام احمدؒ اور ان کے متبعین کی رائے یہ ہے کہ رجعی طلاق میں عورت کے لیے سب کچھ لازم ہے اور بائن

میں نہیں،

ابن تیمیہ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

"وتجب نفقة الطلقة الرجعية طعاما وكسوة وسكنها كالزوجة سواء وأما البائن ففسخ أو طلاق فلها ذلك إن كانت حاملا ولا فلا شيء لها" (25)

رجعی طلاق کی صورت میں عورت کے لیے خوراک، لباس اور سکنی واجب ہیں، جیسا کہ اپنی بیوی کا واجب ہے۔ رہی بائن تو خواہ فسخ نکاح کی صورت میں ہو یا طلاق کی، یہی سب کچھ واجب ہے اگر وہ حاملہ ہے۔ اور اگر حاملہ نہیں تو پھر شوہر پر کچھ بھی نہیں۔

حنابلہ علما کی رائے یہی ہے کہ رجعی طلاق میں سب کچھ مرد پر واجب ہے، اور بائن کی صورت میں اگر حاملہ نہ ہو تو کوئی چیز بھی واجب نہیں، البتہ اگر حاملہ ہو تو پھر یہی سب کچھ اس کے لیے بھی لازم ہے۔

خلاصہ بحث

فقہا کی آرا سامنے آئیں جن سے پہلی بات تو یہ معلوم ہوئی کہ مطلقہ کا نفقہ ابدیہ تو بالکل شوہر پر نہیں، اس پہ اجماع ہے، البتہ عدت اور حمل کی صورت میں تھوڑے بہت اختلاف کے ساتھ یہ بات معلوم ہوئی کہ عدت میں اس کا نفقہ شوہر پر ہے، لہذا مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی رائے بھی جمہور اہل علم کے موافق ہے، اور یہی صائب بھی معلوم ہوتی ہے کہ عورت جب شوہر کے قبضے میں نہ رہی، تو اس کے لیے نفقہ دینا کیسے لازم ہو جائے، اور یہ فساد اور گناہ کا بھی موجب ہو سکتا ہے کہ نفقہ دیتے ہوئے شاید اسی غیر منکوحہ کے ساتھ غیر شرعی تعلقات قائم ہوں۔

⁽¹⁾ مودودی-سید-ابوالاعلیٰ، اسفسارات، ادارہ ترجمان القرآن لاہور، 1992، ج 1، ص 174

⁽²⁾ وَهْبَةُ الرَّحِيلِي، الْفَقْهُ الْإِسْلَامِيُّ وَأَدْلَتُهُ، دار الفكر-سوريّة-دمشق، ج 9، ص 343

⁽³⁾ رواه أحمد وأبو داود وابن ماجه عن عائشة (نيل الأوطار 6/235، نصب الراية: 3/223)

⁽⁴⁾ وَهْبَةُ الرَّحِيلِي، الْفَقْهُ الْإِسْلَامِيُّ وَأَدْلَتُهُ، دار الفكر-سوريّة-دمشق، ج 9، ص 344

⁽⁵⁾ عبد الرحمن الجزيري، الفقه على المذاهب الأربعة

⁽⁶⁾ ابن تيمية الحراني تقي الدين الحليم (المتوفى 728هـ)، المستدرک علی مجموع فتاویٰ شیخ الإسلام،

جمعه ورتبه: محمد بن عبد الرحمن بن قاسم (المتوفى 1421هـ)، الطبعة الأولى، 1418 هـ، ج 5، ص 6

⁽⁷⁾ مودودی-سید-ابوالاعلیٰ، تفہیمات، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، مارچ 1998، ج 3، ص 196

⁽⁸⁾ برهان الدين-ابوالحسن-متن بداية المبتدي في فقه الإمام أبي حنيفة، مكتبة ومطبعة محمد علي

صحيح، القاهرة، ص 72

⁹ ابن نجم بن شاس بن نزار الجذامی السعدی المالکی۔ أبو محمد جلال الدین عبد اللہ (المتوفی 616ھ۔ عقد الجواهر الثمينة في مذهب عالم المدينة، دار الغرب الإسلامي، بیروت۔ لبنان، الطبعة الأولى، 1423 ھ، ج 2، ص 214

¹⁰ مصطفى الخن - الدكتور، علي الشرنجي، الفقه المنهجي على مذهب الإمام الشافعي رحمه الله تعالى، دار القلم للطباعة والنشر والتوزيع، دمشق، الطبعة الرابعة، 1413 ھ، ج 4، ص 137

¹¹ (صحيح البخاري، الطبعة الهندية، ج 1، ص 1142، صحيح مسلم، دار إحياء التراث العربي - بيروت، ج 2، ص 1103

¹² (صحيح البخاري، ج 1، ص 1142، صحيح مسلم، ج 2، ص 1103

¹³ مودودی۔ سید ابوالاعلیٰ، تفہیمات، ج 3، ص 198

¹⁴ ابن مودود۔ الموصلي الحنفی، الاختیار لتعلیل المختار، دار النشر۔ دار الكتب

العلمية۔ بیروت۔ لبنان 1426 ھ، ج 3، ص 138

¹⁵ ایضاً

¹⁶ (مالك بن أنس بن مالك بن عامر الأصبغي المدني، المدونة الكبرى، دار الكتب العلمية بيروت۔ لبنان،

ج 2، ص 3

¹⁷ ابن سالم العمراني اليميني الشافعي، البيان في مذهب الإمام الشافعي، دار المنهاج۔ جدة،

الطبعة الأولى، 1421 ھ، ج 10، ص 80۔ هكذا في المجموع شرح التهذيب، نووي، ج 17، ص 87

¹⁸ (البيان في مذهب الإمام الشافعي، ج 17، ص 87

¹⁹ (المغني لابن قدامة، ج 8، ص 241

²⁰ (مودودی۔ سید۔ ابوالاعلیٰ، تفہیمات، ج 3، ص 200

²¹ (متن بداية المبتدي في فقه الإمام أبي حنيفة، مكتبة ومطبعة محمد علي صبح، القاهرة، ص 89

²² (الهداية في شرح بداية المبتدي، ج 2، ص 290

²³ (المدونة الكبرى، دار الكتب العلمية بيروت۔ لبنان، ج 2، ص 48

²⁴ (الشافعي أبو عبد الله محمد بن إدريس (المتوفى 204 ھ)، الأم، دار المعرفة۔ بيروت، 1990 م،

ج 5، ص 254

²⁵ (ابن تيمية الحراني۔ عبد السلام بن عبد الله بن الخضر بن محمد، أبو البركات، مجد الدين

(المتوفى 652 ھ)، المحرر في الفقه على مذهب الإمام أحمد بن حنبل، مكتبة المعارف۔ الرياض، الطبعة

الثانية، 1404 ھ، ج 2، ص 116